عدنان محمود صدیقی
اسکالر ایم فل لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی ،وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد
ڈاکٹر نذر خلیق
پرنسپل (ریٹائرڈ) گورنمنٹ میاں شہباز شریف کالج خیابان سر سید، راول پنڈی

اُردو افسانے میں زندگی اور خواب کا عنصر

Adnan Mahmood Siddiqi
Scholar MPhil Leading to Ph.D, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology Islamabad
Dr Nazar Khaleeq
Principal (retired) Govt Mian Shabaz Shareef College khayaban e Sir Syed, Rawal Pindi.

Impact of Urdu Fiction in Real Life and Dreams

This article underlines the significance of classic literature in contemporary world literature. Concept of dream in Urdu afsana. The relationship of dream in human life. Evolution of dream is overviewed with an analysis of its history, religion and physiology with ethical and social aspect.

Key Words: *classic literature, concept of dream, evaluation of dream .*

ناول کی طرح افسانہ بھی مغربی زبانوں سے آیا ہے۔ افسانوی ادب کی ابتداء اور ترقی اُردو میں تراجم سے ہوئی۔ خاص طور پر مختصر افسانہ جدید تکنیک اور ترقی میں مغربی ادب کا بڑا حصہ رہا ہے۔ اُردو افسانوں میں نئے رجحانات اور موضوعات انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، جرمن، ترکی، روسی اور چینی تمام زبانوں کے رہن منت ہیں۔ اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ افسانہ کیا ہے؟ اور اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی تو کہا جاسکتا ہے کہ افسانہ ایک طرح کی ایسی کہانی ہے جس میں انسان کی اپنی زندگی، خواب، خیال اور معاشرے میں ہونے والے واقعات کی تصویر موجود ہے۔ جہاں تک افسانہ کی تعریف کی بات ہے تو بہت سے ناقدین اس فن کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں کہ:

> "اس سے مراد نثر میں ایک مختصر سادہ قصہ ہے جس میں زندگی کے کسی ایک پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو"۔ (۱)

اس تعریف کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ افسانے کا مقصد صرف اور صرف مختصر وقت میں زندگی کا کوئی خاص پہلو بیان کرنا ہوتا ہے۔ اس بات کو سعادت حسن منٹو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ

"ایک تاثر خواہ وہ کسی کا ہو، اپنے اوپر مسلط کر کے اس انداز میں بیان کر دینا کہ وہ سننے والے پر وہی اثر کرے یہ افسانہ ہے"۔ (۲)

اس تعریف کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ افسانہ اتنا مختصر ہونا چاہئے جو سننے والے پر کسی ایک تاثر اس طرح پیدا کرے کہ وہ اس حقیقت کو جاننے پر مجبور نہ بھی ہو تو ایک لمحہ کو سوچنے پر ضرور مجبور ہو جائے۔ اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ افسانہ نگار جب کوئی افسانہ لکھتا ہے تو اس کی کہانی کو قلم بند کرتے ہوئے اس کے سامنے زندگی کا کوئی ایک خاص پہلو یا مسئلہ یا پھر کوئی خاص واقعہ ہوتا ہے۔

افسانہ نگار کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تجربے اور مشاہدہ کی بناء پر اس کہانی میں چھپی ہوئی حقیقت جاننے کے بعد اس خاص پہلو کی وضاحت کرتا ہے۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

"افسانہ نگار کا سب سے قیمتی اور سب سے قابل قدر خزانہ اسے مشاہدہ کی مدد سے حاصل ہوتا ہے۔ آنکھ برابر کھلی رہے تو زندگی میں تخیل اور فکر کے لئے دولت کی کمی نہیں۔ افسانہ نگار کو چاہیے کہ وہ برابر اپنے آپ سے اپنی ذات کے متعلق سوالات کرتا رہے۔ ہر انسان ایک سر بستہ راز ہے اور زار ان کا کھلونا۔ افسانہ نگار کی دلچسپی کا اہم جزو"۔ (۳)

اس تعریف کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ افسانہ نگار اپنے معاشرہ کا تجزیہ کرتا ہے۔ وہ اپنے دور کے سیاسی، مذہبی اور اخلاقی قدروں کو اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی روشنی میں بیان کرتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیالات، سوچ اور ذہنی کیفیت کو خواب کی شکل میں پیش کرتا ہے اور یوں وہ ماضی کا رشتہ قائم کرتا اور پھر اس خواب وخیال مستقبل میں پیش کر دیتا ہے۔

اس دوران میں ہونے والی تبدیلیاں کو پیش کرنا بھی افسانہ نگار کی مجبوری ہوتی ہے۔ وہ صرف ماضی کے خواب وخیال کو پیش نہیں کرتا ہے بلکہ جدید تہذیب کے ساتھ ساتھ وہ ایسے مسائل بھی پیش کرتا ہے جو اس کے دور میں رونما ہوئے ہوں یا پھر وقت کی ضرورت ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پریم چند سے لے کر آج تک کے افسانہ نگاروں کے بیان، ہیت اور تکنیک میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی جو اپنے اپنے وقت کی ضرورت ہیں۔

انیسویں صدی میں افسانہ کو اہمیت دی جانے لگی۔ یہ آغاز بھی تھا اور اسباب بھی کیونکہ زمانے کے گزارنے کے ساتھ انسانی مشاغل اور ضروریات میں وسعت اور شعور و نظریات میں گہرائی پیدا ہوتی گئی اور انسانی خیال وخواب بھی بدلتے گئے۔ زندگی کے تقاضوں کی تبدیلیوں کے ساتھ افسانہ کے موضوعات بھی بدلتے گئے اور اسلوب و افکار اور مواد میں وسعت اور گہرائی بڑھتی گئی۔

اس پس منظر میں اگر اُردو افسانے کی بات کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۹۰۳ء سے شروع ہونے والا یہ افسانوی دور ۱۹۳۰ء تک پوری رعنائی کے ساتھ ارتقائی دور میں داخل ہو گیا۔ اس دور کے حوالہ سے ایک دوسرا اہم نقطہ یہ بھی سامنے آیا کہ غیر ملکی ادب کے تراجم ہونے لگے جس کی وجہ سے افسانے کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور پلاٹ، کردار نگاری ہی نہیں بلکہ موضوعات اور کہانی کو نیا مواد بھی میسر آیا۔

اگر افسانے کا ارتقائی جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو سفر قیام پاکستان سے پہلے شروع ہوا تھا، قیام پاکستان کے بعد اب تک یعنی اسی اور نوے کی دہائی تک آتے آتے افسانہ جدید افسانے کے مقابلے میں انسانی ذات کی اکائی بحال کرنے کی کوشش میں زیادہ فعال نظر آتا ہے۔ اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر نئے افسانے کے پس منظر کی بات کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ در حقیقت نیا افسانہ کئی ارتقائی مراحل سے گزر چکا ہے اور اس دوران ہر مرحلہ پر ایک نئی صورت حال کی تبدیلی سامنے آئی ہے۔ پہلی تبدیلی جو نئے افسانے میں نمایاں ہے وہ یہ کہ معاشرتی برائیوں کے ساتھ ساتھ نفسیاتی اور جنسی موضوعات کو بیان کیا گیا جس کی وجہ سے اُردو ادب کی جڑیں علم نفسیات سے جا کر مل گئیں اور یوں ادب میں ایک نیا باب کا اضافہ ہوا۔ اسی طرح دوسری بڑی تبدیلی کہانی کے ختم ہونے سے پیدا ہوئی یعنی افسانے میں علامت، وجودیت اور تجریدی فنی عناصر شامل ہو گئے۔ تیسری اہم تبدیلی جس نے افسانے سے کردار نگاری، کہانی اور پلاٹ کو ختم کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ افسانہ بے معنویت اور خیالی تصور بن کر رہ گیا لیکن پھر اچانک تبدیلی ہوئی یعنی کردار اور کہانی کی ایک نئی صورت سامنے آگئی جس کی روایتیں در حقیقت علامتی افسانے ہی ہموار کی تھی۔ یہ نیا افسانہ بلاشبہ ۱۹۸۰ء کے بعد منظر عام پر آیا۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ کہانی کا وجود اور مکمل تصور موجود تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ کردار نگاری کا خوبصورت عنصر بھی اجاگر تھا۔

بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ اس بڑی تبدیلی کی وجہ سے انسانوں اور معاشرہ کے درمیان ایک ربط و توازن قائم ہوا اور در حقیقت اس نئے موڑ پر آکر اُردو افسانہ نئے شعوری امکانات کا پتہ دیتا ہے جس میں زندگی کی حقیقت بھی واضح ہے اور خواب کی سچائی بھی جو انسانی نفسیات کے قریب بھی ہے اور روحانی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل سے بھی

آگاہ ہے۔ جہاں انسانی رشتوں اور خلوص کی قیمت بھی آشکار ہے یعنی زندگی کیا ہے؟ خواب کا مطلب کیا ہے؟ زندگی کی قدریں کیا اہمیت رکھتی ہیں اور انسان سوتے جاگتے خواب اور خیال کے تانے بانے کیوں تیار کرتا ہے۔

اس پس منظر میں اگر خواب اور زندگی کے حوالے سے لکھے جانے والے افسانوں اور افسانہ نگاروں کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، ممتاز شیریں، قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، انور سجاد، محمد منشایاد، خالدہ حسین، رشید امجد اور احمد جاوید وغیرہ کے ہاں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ ان افسانہ نگاروں نے افسانے میں آزاد تلازمہ خیال، خود کلامی علامت، وجودیت اور شعور کی رو کی تکنیک کا سہارا لیا ہے۔ اس کی وجہ سے خواب اور زندگی کا تعلق واضح اور مضبوط ہو گیا ہے۔ اس پس منظر اگر کرشن چندر کے افسانوں میں خواب کے عنصر کی بات کرے تو کہا جاسکتا ہے کہ ان کے موضوعات میں ترقی پسندانہ اور انسانی زندگی کا سب سے اہم پہلو خواب اور زندگی نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے زندگی کی حقیقت، رومانیت، اسلوب کے پس منظر میں انسانی زندگی میں خواب کی اہمیت کو دلکش انداز میں پیش کیا۔ کرشن چندر کے موضوعات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی کہانیوں کا خمیر حقیقت، رومانیت اور خواب و خیال سے تیار کیا ہے۔

اس حوالے سے اگر سعادت حسن منٹو کے افسانوں کی بات کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حقیقت نگاری کے پردے میں خواب کے تصور اور انسانی ذہن میں آنے والے مختلف خیالات کو اس کی تمام تلخی کے ساتھ اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ اگر منٹو کے افسانوں کی ہیروئن کی بات کی جائے کہ وہ طوائف ہی کیوں ہے؟ کوئی اور عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے منٹو اپنی ہیروئن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "چکی پیسنے والی عورت جو دن بھر کام کرتی ہے اور رات کو اطمینان سے سو جاتی ہے۔ میرے افسانوں کی ہیروئن نہیں ہو سکتی۔ میری ہیروئن چکلے کی ٹکھیائی رنڈی ہو سکتی ہے جو رات کو جاگتی ہے اور دن کو سوتے ہوئے کبھی نہ کبھی یہ گھناؤنا خواب دیکھ کر اٹھ جاتی ہے کہ بڑھاپا اس کے دروازے پر دستک دینے آرہا ہے"۔(۴)

اس خیال کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ منٹو نے انسانی زندگی میں خواب کی حقیقت اور اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ خواب انسان کو نہ صرف آگاہی دیتے ہیں بلکہ آنے والے وقت میں خطرے کی اطلاع بھی دیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ منٹو کے افسانوں کے حوالے سے یہ کہنا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ ان کے افسانوں میں نفسیاتی، خیالی اور خوابی پہلو کا زیادہ نمایاں ہے۔ اس پس منظر میں اگر عصمت چغتائی کے افسانوں کا جائزہ لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ان کے افسانوں میں بھی خیال وخواب کا تصور زیادہ نمایاں ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے افسانوں میں خواب اور خیال کا تصور مغربی ادب سے انتخاب کیا تھا لیکن ان کا موضوع از خود اپنے فن وتکنیک کے زاویے لے کر آتا ہے۔ وہ خیال وخواب کا پس منظر متوسط طبقے کے مسلمان گھرانوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کی نفسیاتی اور جنسیاتی الجھنوں خیالات اور خواب سے لیتی ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر اس پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "نسائی ہم جنسیت ہمارے ماحول کے لئے اور ریختی کی صورت میں ادب کے لئے کوئی نئی بات نہیں پھر اس پر جو کہرام مچا اس کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ بہر حال اپنے موضوع اور اظہار کے لحاظ سے بے حد اہم ہے کہ ہندوستان کی عورت کا وہ روپ دکھاتا ہے جو بالعموم لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے"۔(۵)

اس رائے کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ عصمت چغتائی نے جس موضوع پر قلم اٹھایا وہ نیا نہیں تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اسلامی معاشرے میں عورت کا یہ انداز بیان پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ اس پہلو کے حوالے سے اگر قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں زندگی اور خواب کے عنصر کی بات کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاں اُردو افسانے کے اکثر رجحانات ایک جگہ مل جاتے ہیں جن میں خواب کے تصور نمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ رومانیت، تاریخی شعور، شعور کی رو، لاشعور اور آزاد تلازمہ خیال بلاشبہ یہ تمام پہلو بھی خواب کے تصور کی اہم کڑی ہیں۔ اس حوالے سے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ قرۃ العین حیدر کے مقابلے میں دوسری خواتین افسانہ نگار کے ہاں یہ تمام پہلو اس شکل میں نہ تو ایک جگہ ملتے ہیں اور نہ ہی خواب کی یہ پوری لڑی ایک جگہ جڑی ہوئی ملتی ہے۔

اس حوالہ سے اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ تمام پہلو خواب کا تصور پیش کرنے کے لئے الگ الگ ضرور نظر آتے ہیں۔ یہی پہلو قرۃ العین حیدر کو دوسری افسانہ نگار خواتین میں ممتاز کرتا ہے۔ اگر قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں خواب اور زندگی کے تعلق کی بات کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خواب کی حقیقت سے بھی واقف تھی اور اس کے پس منظر سے بھی ''جہاں کارواں ٹھہرا تھا'' اور ''ستاروں سے آگے'' ان کے قابل ذکر افسانے ہیں جس میں انہوں نے خواب کا تصور اور اس کے اثر کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ''جہاں کارواں ٹھہرا تھا'' میں خواب کی کیفیت اور رعنائی کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"اور وہ خیالوں کے دھندلکے میں سے کہتا سنائی دیا۔۔ لیڈی ویرونیکا۔۔ ہش۔۔۔ چاند سن لے گا، پھول جاگ اٹھیں گے۔ اپنے ساز اور رواں نہ کرو، نیندوں کی بستی کے راستوں پر سے خوابوں کا، پھولوں کا، گیتوں کا کارواں آہستہ آہستہ گزر رہا ہے"۔ (۶)

اس افسانے کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس افسانے میں انتہائی غیر رومانوی فضا ہے لیکن خیال و خواب کے ساتھ ساتھ سحر یا واہموں کی شکست کے کرب سے دوچار ہیں لیکن نیند کے پس منظر میں خواب کے تصور نے افسانے میں استعاراتی فضا کو تخلیق کر دیا ہے۔ اس پس منظر میں اگر قرۃ العین حیدر کے دوسرے افسانوی مجموعہ ''شیشے کا گھر'' کے افسانوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت از خود سامنے آجاتی ہے کہ اس میں موجود تمام افسانے کسی نہ کسی رنگ میں خواب و خیال کا تصور پیش کرتے نظر آتے ہیں لیکن '' یہ داغ داغ اجالا''، ''کیکٹس لینڈ'' میں شعور کی رو کی تکنیک اور نئی نسل کے جذبات و احساسات کے ساتھ ساتھ ان کے خوابوں کی دلکش ترجمانی کرتے ہیں۔ "کیکٹس لینڈ" میں وہ ان خوابوں و خیالوں کو یوں بیان کرتی ہیں:

"یہ سارے شہر ایک سے تھے۔ وہی ایک سا طبقہ جو آبادی سے دور سول لائنز میں رہتا۔ سب کی ایک سی کوٹھیاں، ایک سے باغ، ایک سی ذہنیتیں اور خیالات اور اس اینگلو انڈیا کے یہ سارے مشہور اور خاص اسٹیشن۔ پونا، جھانسی، آگرہ، لکھنؤ، کانپور، الہٰ آباد، پھر ان لوگوں کے یہ ہل اسٹیشن، بنگال کا دار جلنگ، یوپی کا نینی تال اور میسوری، شمال مغرب اور کشمیر۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ قیامت تک اسی طرح اپنے ان پرانے کلبوں میں جمع ہو کر برج اور بلئیرڈ کھیلتے رہیں گے"۔ (۷)

اس اقتباس میں خیال و خواب کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ انسان زندگی میں جب بھی خواب دیکھتا ہے اس کے خیال کا عکس ہوتا ہے۔ اس حوالے سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ قرۃ العین حیدر کے افسانوی ادوار کے افسانوی مجموعہ میں خواب کا تصور نمایاں ہے۔ اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواب کیوں کہ زندگی کی وہ حقیقت جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے تمام افسانہ نگاروں نے اس عنصر کو افسانے کا حصہ بنایا۔

اس حوالے سے یہ نقطہ بھی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے کہ جدید افسانہ اور قدیم افسانہ دونوں میں خواب کا تصور کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے۔ اس حوالہ سے اگر رشید امجد کے افسانوں اور موضوع کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ رشید امجد کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے استعاروں اور علامتوں کے ذریعے خواب کی منظر کشی کی

ہے۔ جدید افسانے کی بنیادوں میں خواب کا تصور مستحکم کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے احمد جاوید اپنے مضمون ''رشید امجد کا فنی سفر'' میں لکھتے ہیں:

> "رشید امجد کا فن جامد نہیں بلکہ ارتقاء پزیر ہے۔ ابتداء میں اس نے زندگی کو اس خارجی حقیقتوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ 'بیزار آدم کے بیٹے' اور 'ریت پر گرفت' اس کے اسلوب کی پہچان بنے۔ سہہ پہر کی خزاں، سپاس کے میلانات اور موضوعات کا باقاعدہ تعین ہوا مگر اب ایک اور مرحلہ اس کے مجموعے، بھاگے ہے بیاباں مجھ سے آغاز ہوتا ہے اور اب وہ اپنے بکھرتے ہوئے وجود کو مجتمع کرنے کی فکر میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ خواب یادیں اور کشف اب اسے اپنے ساتھ لے کر چلنے لگے ہیں"۔(۸)

اس رائے کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ رشید امجد کے افسانوں میں خواب، حافظہ اور تخیل مل کر ہر شے کو علامت کی شکل دیتے نظر آتے ہیں۔ انہی علامتوں میں سے ایک علامت ''خواب'' ہے۔ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی انسان ایسے نہیں ہو گا جس نے خواب نہ دیکھا ہو۔ اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اُردو افسانے میں خواب کا عنصر زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس حوالہ سے یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ انسانی زندگی میں خواب آگاہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے جو انسان کو نہ صرف خطرات سے آگاہ کرتا ہے بلکہ خوشی کی نوید بھی سناتا ہے۔ کبھی کبھی انسان مجبور اور بے بس ہونے کے باوجود خواب کے ذریعہ ایسی لذت حاصل کر لیتا ہے جس کا حاصل کرنا اس کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ اس پہلو کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواب انسانی زندگی کی ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلاشبہ اُردو افسانے میں یہ عنصر نمایاں بھی ہے اور زندگی کے واضح تعلق کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ جدید افسانے اور قدیم افسانے دونوں میں خواب کا تصور کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے۔ رشید امجد کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے استعاروں اور علامتوں کے ذریعے خواب کی منظر کشی کی ہے اس پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے احمد جاوید اپنے مضمون "رشید امجد کا فنی سفر" میں لکھتے ہیں:

> "رشید امجد کا فن جامد نہیں بلکہ ارتقاء پذیر ہے۔ ابتدا میں اس نے زندگی کو اس خارجی حقیقتوں کے ساتھ بیان کیا ہے مگر اب وہ اپنے بکھرتے ہوئے وجوہ کو مجتمع کرنے کی فکر

میں مبتلا دکھائی دیتا ہے خواب یادیں اور کشف اب اسے اپنے ساتھ لے کر چلنے لگے ہیں۔ (۹)

اس رائے کے حوالہ سے یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ رشید امجد کے افسانوں میں خواب، حافظہ اور تخیل مل کر ہر شے کو علامت کی شکل دیتے نظر آتے ہیں۔ انہی علامتوں میں س ایک علامت "خواب" ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ خواب زندگی کی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اس حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی انسان ایسے نہیں ہو گا جس پہ کہا ہو گا کہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ خواب اور زندگی ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح شامل ہیں جس طرح جسم اور روح اس لیے کہا جاتا ہے کہ واقعات، ادات، خیالات کی طرح خواب بھی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ کوئی لمحہ بھی انسانی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا ہے کہ انسانی ذہن خیالات سے آزادی حاصل کرے۔ اس پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے خالدہ حسین اپنے افسانے "مصروف عورت "خواب کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"میرے پیر مرشد نے کہا تھا کہ جو شے تمہارے لے چھت ہے کسی اور کے لیے فرش ہو سکتی ہے۔ تو پھر چھت اور فرش، زمین اور آسمان کی بلندی اور پستی کا تعین کس طرح کروگے۔ خواب اور بیداری کا فیصلہ کیوں کر ہو گا اور یہ بھی فرمایا کہ اب ہم حالت خواب میں ہیں مریں گے تو بیدار ہو جائیں گے۔ (۱۰)

بلاشبہ اس اقتباس سے اس بات کا بخوبی ادازہ ہو جاتا ہے کہ خواب کا تعلق انسانی زندگی کے ساتھ نہ صرف بہت گہرا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خواب زندگی کا وہ عنصر ہے جس کو اس سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کی حقیقت بھی خواب ہے جس طرح ہم نیند سے بیدار ہو جاتے ہیں تو خواب ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح دنیاوی زندگی سے جب ہمارا تعلق ٹوٹ جائے گا تو ہمیشہ کی زندگی ملے گی۔ اس حقیقت کو جاننے کے بعد یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ خالدہ حسین نے علمو عرفان کی منزل کے راستوں کو مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں خواب کی حقیقت کو کامل ہنر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ خالدہ حسین نے اپنے افسانوں میں حقیقت اور خیال عام و خاص اور خواب اور زندگی کا جو تصور پیش کیا ایسی مثال بہت کم ملتی ہیں۔ وہ اپنے افسانے "گیدڑ کی موت" میں خواب کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"اس وقت بھی چائے دم کرتے کرتے اسے رات کا نہیں برسوں دہرایا جانے والا خواب یاد آگیا وہ گھر کے تمام دروازے بند کر کے پلٹتی ہے ایک دم سے تمام دروازوں کی کنڈیاں خود بخود کھل کاتی ہیں اس کے کمرے میں مقفل صندوق اور الماریاں کھل پڑتی ہیں اور سب کچھ غائب ہے خالی ڈبے۔۔۔۔۔۔ منہ کھولے طاق۔۔۔۔۔ سب کچھ غائب۔ کاش کاش یہ خواب ہو۔۔۔۔ وہ خواب ہی میں سوچتی ہے۔ میں خواب میں ہنوز

ہو جاتے ہیں خواب میں اور پھر اس کی آنکھ کھلتی ہے تمام گھر آسودگی سے پڑا ہوتا ہے۔(۱۱)

اس اقتباس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ خالدہ حسین نے جس قدر خواب کی ترجمانی زندگی کے واقعات، حادثات کے ساتھ کی ہے اس کی مثال اردو افسانے میں بہت کم ملتی ہے۔

اس پہلو کی روشنی میں اگر جدید افسانے اور قدیم افسانے کا جائزہ لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ منشایاد جدید افسانے نار میں اہم مقام رکھتے ہیں انہوں نے روایتی افسانے سے اپنا آغاز کیا اور جدید افسانے جب لکھا تو کمال کر دیا۔ ان کے افسانے سماج کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جس میں خواب کی زندگی کا ایک اہم عنصر قرار دیا گیا ہے ان کے خیال میں زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو خواب کے بغیر نامکمل ہے خواب زندگی کا حاصل ہے جس کی ترجمانی اپنے افسانے "دوپہر اور جگنو" میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ضرور پھل پڑتے پتر "بڑا
کچھ دیر سوچنے کے بعد کہتا ہے "مگر مجھے رات والا خواب یاد آ رہا ہے"
"کیسا خواب۔۔۔۔۔ابا"
بہت ڈراؤنا خواب تھا پتر"
کیا دیکھا تھا ابا"

"میں نے دیکھا جمہورے کہ بہت بڑا مجمع ہے میں تماشائیوں کے درمیان کوڈیوں والوں کو گل میں ڈالے کھڑا ہوں۔ بچے تالیاں بجاتے اور بڑے زمین پر بچھی چادر پر سکے پھینک رہے ہیں کہ اچانک کوڈیوں والا جسے میں نے تمہاری طرح لاڈ پیار سے پالا ہے میری گردن میں دانت گاڑ دیتا اور اپنا زہر انڈیل دیتا ہے۔۔۔۔ چاند ڈوب چکا ہے کتے رو رہیں اور اداس سے بو جھل ہوا اداس اداس پھر رہی ہے"

"بس چھوٹا کہتا ہے "اس سے تم نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ ہمیں دریا نہیں اترنا چاہیئے"
"ہاں پتر آج کا دن ہمارے لی اچھا نہیں ہے"۔(۱۲)

اس اقتباس کے حوالہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ منشایاد نہ صرف خواب کی کیفیت بیان کرنے میں کمال رکھتے ہیں بلکہ خواب کی تعبیر اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والہ آگاہی سے بھی واقف ہیں کہ بغیر ملنے کے بعد خواب کے برعکس نہیں کرنا چاہئے۔ایک دفعہ تعبیر بیان کر دی جائے تو پھر اس کے بعد اس پر قائم رہنا چاہیے یہی پہلو اس افسانے کا اختتام ہے۔

اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے خواب اور زندگی کے تعلق کی بات کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام نہیں تو زیادہ تع افسانہ نگاروں نے خواب کو زندگی کا ایک اہم حصہ مانا ہے اسی بات کی وضاحت یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ زیادہ تر افسانہ نگاروں نے زندگی اور خواب کے تعلق کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس حقیقت کا

بھی اعتراف کیا ہے کہ بلاشبہ خواب زندگی کا اہم حصہ ہے اردو افسانہ میں خواب ک تصور کا جو عنصر موجود ہے اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ بلاشبہ تمام افسانہ نگاروں نے زندگی کے ساتھ خواب کو اس لیے بھی اہمیت دی ہے کہ خواب انسانی زندگی کی وہ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس حوالہ سے یہ بات بھی وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ قبل مسیح سے لے کر آج تک خواب انسانی زندگی کی وہ سچائی ہے جس سے نہ تو انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ زندگی کے تعلق کو اس سے الگ کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ''اُردو کی ادبی تاریخ کا خاکہ''، اُردو اکیڈمی، سندھ کراچی، طبع اول، (س۔ن)

۲۔ سعادت حسن منٹو، مشمولہ، ''نقوش، افسانہ نمبر، سمپوزیم، ۱۹۵۵ء

۳۔ وقار عظیم، سید، پروفیسر، ''فن افسانہ نگاری'' ادارہ اشاعت اُردو، کراچی، طبع اول، اکتوبر، ۱۹۴۹ء

۴۔ سعادت حسن منٹو، ''لذتِ سنگ'' نیا ادارہ، لاہور، س ن

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو افسانہ حقیقت سے علامت تک''، مکتبہ عالیہ، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۲ء

۶۔ قرۃ العین حیدر، ''جہاں کارواں ٹھہرا تھا''، مشمولہ ''ستاروں سے آگے''، از قرۃ العین حیدر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء

۷۔ قرۃ العین حیدر، افسانے مجموعے '' شیشے کا گھر''، افسانہ ''برف باری سے پہلے''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء

۸۔ احمد جاوید، مضمون ''رشید امجد کا فنی سفر''، مشمولہ عبارت (کتابی سلسلہ)، ص ۲۸۱

۹۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۱۰۔ خالدہ حسین، "افسانوی مجموعہ"، دروازہ، افسانہ "مصروف عورت"، خالدہ حسین، خالد پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۴ء

۱۱۔ خالدہ حسین، "افسانوی مجموعہ"، ہیں خواب میں ہنوز"، از خالدہ حسین، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۴۷

۱۲۔ محمد منشایاد، افسانہ، "دوپہر اور جگنو"، از منشایاد، ماورا پبلشرز، راولپنڈی، ۱۹۷۵ء